بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

صدرِ محترم جنرل محمد یحییٰ نے ۲۸ رجون کی تقریر میں موجودہ تشویشناک صورتِ حال کا جس وضاحت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اور اس سے عہدہ برا ہونے کے لیے جن عملی تدابیر کو بروئے کار لانے کا عزم ظاہر فرمایا ہے وہ اس نازک مرحلہ پر غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں۔ ہم صدرِ محترم کے مخلصانہ جذبات اور نیک عزائم کی دل سے پوری قدر کرتے ہوئے انہیں بعض امور کی طرف توجہ دلانے کی جسارت کر رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری ان گذارشات پر وہ اور ان کے مشیر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔

جنرل صاحب نے پاکستان میں دستور کی تاریخ کا جو جائزہ پیش کیا ہے وہ مختصر ہونے کے باوجود بڑا جامع ہے اور اس میں اُن پے در پے ناکامیوں کا بڑے کرب و اضطراب سے ذکر کیا گیا ہے جو اس راہ میں ملک کو پیش آئیں۔ تقسیمِ ملک سے لے کر پورے ۹ سال تک یہ ترین ملّی نقطۂ نظر سے بے آئین رہی۔ بالآخر خدا خدا کر کے ۱۹۵۶ء میں ایک ایسا آئین تیار کیا گیا جو کسی حد تک قوم کے مزاج کے مطابق اور مسلمانوں کی ملّی امنگوں کا ترجمان تھا مگر یہ آئین دو سال بعد ہی مارشل لا کے نفاذ کی وجہ سے کالعدم قرار دے دیا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۶۲ء میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صاحب کی زیرِ ہدایت ایک نیا آئین مرتب ہوا اور اسے بالجبر سنگینوں کے پہرے میں پورے ملک میں نافذ کیا گیا۔ جن لوگوں کے لیے یہ آئین تیار کیا گیا تھا ان سے نہ تو اس کی ترتیب و تدوین کے مرحلے میں اور نہ اس کے نفاذ کے وقت مشورے کی ضرورت محسوس کی گئی بلکہ ایسے حالات پیدا کیے گئے جن کا مقصد یہ تھا کہ اگر زبان کھولو تو اس دستور کی تعریف و توصیف میں کھولو ورنہ خاموش رہو۔ ۱۹۶۹ء میں رائے عامہ کے غیر معمولی دباؤ کی وجہ سے جب فیلڈ مارشل صاحب ملک کی باگ ڈور فوج کو سونپتے ہوئے تختِ اقتدار سے الگ ہوئے تو ان کے

جانے کے ساتھ ہی اس آئین کی بساط بھی لپیٹ دی گئی۔

ملک میں دستور سازی کا یہ المیہ بلاشبہ اس خیال کو تقویت پہنچاتا ہے کہ عوامی نمائندوں میں وہ وحدتِ فکر، تدبّر اور عزم نہیں جس سے آئین سازی کا کام بطریقِ احسن سرانجام دیا جاسکے۔ جنرل یحییٰ نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اس لیے انہوں نے اس کا حل یہ نکالا ہے کہ ملک کے بنیادی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے، جنہیں وہ قانونی ڈھانچے کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اپنی نگرانی میں ماہرین کی مدد سے دستور مرتب کروائیں اور مختلف سیاسی جماعتوں سے مشورے کے بعد اُسے ملک میں نافذ کردیں چنانچہ اس وقت یہ ماہرین دستور کی تدوین میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ اس فیصلہ کُن مرحلہ پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دستور کے بارے میں چند باتیں گوش گزار کردی جائیں۔

صدر صاحب اور دستور کی ترتیب وتدوین کے ذمہ دار اصحاب کو یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ملک دستور سازی کے معاملے میں ایک طویل کشمکش سے گزر چکا ہے۔ غیر اسلامی قوتیں دستور کی سیکولر نہاد اور مزاج کے لیے پُوری کوششیں صرف کرتی رہی ہیں اور اب تک اس کام میں منہمک ہیں۔ دوسری طرف اس ملک کی آئیڈیالوجی سے گہری محبت رکھنے والی محبّ وطن طاقتیں اُن کے ان ناپاک عزائم کے خلاف ہمیشہ صف آرا رہی ہیں۔ اس زبردست کشمکش کے بعد ۱۹۵۶ء کا جو دستور تیار ہوا وہ اپنی ساری خامیوں کے باوجود بنیادی طور پر اسلامی دستور کہلانے کا مستحق ہے۔ اس میں قرآن و سنّت کو بطورِ اساس تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حکومت نے اپنے اوپر یہ ذمہ داری لی ہے کہ وہ ملک کے اندر ان بھلائیوں کو فروغ دینے کی پُوری کوشش کرے گی جو اسلام میں مطلوب ہیں اور ان برائیوں کے استیصال کی فکر کرے گی جنہیں اسلام دنیا سے مٹانا چاہتا ہے۔ یہ دستور درحقیقت اسلام پسند قوتوں کی لادینی قوتوں پر فتح و کامرانی کی واضح شہادت ہے۔ ان سارے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ ماہرین کی جو کمیٹی دستور سازی کے کام میں مصروف ہے وہ ان ساری کوششوں کو نہ صرف سامنے رکھے بلکہ ان سے بھرپور استفادہ کرے جو اس سلسلے میں پہلے کی جاچکی ہیں۔ اس ضمن میں قراردادِ مقاصد کے رہنما اصُول، مختلف مکاتبِ فکر کے متفقہ ۲۲ نکات، قائدِ ملت لیاقت علی خاں

کے قائم کردہ بورڈ تعلیمات اسلامیہ اور مختلف مکاتب فکر کے علماء کی ناظم الدین رپورٹ پر تفصیلی سفارشات اور ۱۹۵۶ء کے آئین کو پوری طرح سامنے رکھا جائے۔ یہ ساری کاوشیں خواہ اسلامی دستور کا مثالی عکس پیش نہ کرتی ہوں مگر نشان منزل کا کام ضرور دیتی ہیں ... تدوینِ دستور کے وقت انہیں نظر انداز کرنا کسی طور سے بھی مناسب نہیں۔ اب ماہرینِ دستور کے کرنے کا اصل کام یہ نہیں کہ دستور سازی کے کام کو صفر سے شروع کر کے پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے بلکہ یہ ہے کہ اس میدان میں پہلے سے جو کچھ موجود ہے اس کی اچھی طرح چھان پھٹک کی جائے اور اس دستوری سرمائے میں سے جو حصہ بھی اسلامی ہے اُسے بڑی فراخدلی سے اخذ کر لیا جائے، اس طریقے سے دستور سازی کا کام سہل اور آسان ہو جائے گا۔

صدر محترم کی یہ نیت کہ اقتدار ملک کے عوامی نمائندوں کو منتقل کر دینا چاہیے بڑی نیک اور مبارک ہے۔ ترجمان القرآن کے صفحات اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ ہم نے عوامی اقتدار کی ہمیشہ حمایت کی۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کے خلاف ہمیں سب سے بڑی شکایت یہی تھی کہ انہوں نے عوام کے حقوق کو سلب کر رکھا تھا۔ جمہوریت لازمۂ تہذیب اور انسانی عز و شرف کا سیاسی زندگی میں اعتراف ہے۔ ہم اس مقصد کے حصول کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی رہیں گے مگر بدقسمتی سے اس وقت ملک میں جو انارکی کی کیفیت موجود ہے اس میں انتقالِ اقتدار اپنے اندر شدید خطرات رکھتا ہے۔

جمہوریت کا تقاضا یہ ہے کہ ملک کی عظیم اکثریت ملک و قوم یا نظریۂ حیات سے اتنی گہری وابستگی رکھتی ہو کہ اس کی خاطر تن، من، دھن قربان کرنے کے لیے تیار ہو۔ کسی مشترک نصب العین سے یہ محبت اور وابستگی ہی مختلف افراد اور جماعتوں کو سیاسی اختلافات کے باوجود قومی امور کے معاملے میں ایک دوسرے سے قریب رکھتی ہے اور قوم کے مختلف عناصر اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے جڑے رہتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہماری قوم اب کسی ایسے نصب العین کی محبت میں سرشار نہیں رہی جو اس کے مائل بہ انتشار اجزاء کو ایک دوسرے سے جوڑ کر ایک وحدت بنا سکے۔ یہ اگرچہ بڑی تلخ بات ہے

مگر ہے ایک ناقابلِ انکار حقیقت۔ خواب و خیال کی دنیا میں بسنے والے جو چاہیں کہتے رہیں لیکن اس اندوہناک صورتِ حال کو آخر کس طرح جھٹلایا جا سکتا ہے کہ مرکز گریز اور اتحاد شکن رجحانات نے یہاں اچھی خاصی پرورش پائی ہے اور ان کے عملی مظاہرے ہم مشرقی پاکستان میں دیکھ چکے ہیں۔ اگر جلد از جلد مؤثر اقدامات نہ کیے جاتے تو مغربی پاکستان بھی ان کی لپیٹ میں پوری طرح آجاتا۔

اس کے علاوہ مشرقی پاکستان کی اقتصادیات کا سارا نظام درہم برہم ہو چکا ہے۔ کارخانے ابھی تک صحیح معنوں میں رواں نہیں ہوئے۔ دفاتر اور منڈیوں میں ابھی تک زندگی اپنے معمول پر نہیں آئی مشرق و مغرب میں ابھی نفسیاتی بعد موجود ہے۔ تخریب پسند عناصر اگرچہ خوف اور دہشت کی وجہ سے مقابلے سے ہٹ گئے مگر زیرِ زمین اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں اور وقتاً فوقتاً اپنی کمین گاہوں سے نکل کر امن پسند شہریوں پر حملے کرتے رہتے اور دہشت پھیلاتے رہتے ہیں۔ یہ ایسے غیر معمولی حالات ہیں جن سے کوئی سول حکومت عہدہ برا نہیں ہو سکتی۔ اگر بالفرض اقتدار منتقل بھی کر دیا جائے تو سول انتظامیہ کو لامحالہ فوج کی مدد حاصل کرنی پڑے گی۔ اب اگر عوامی نمائندے براہِ راست فوج کی خدمات سے فائدہ اٹھا کر ملک کے اندر نظم و نسق قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس سے بعض ایسی پیچیدگیاں پیدا ہونے کا خطرہ ہے جنہیں بیان کرنا مناسب نہیں۔ اس وقت ملک میں جو سیاسی پارٹیاں موجود ہیں خصوصاً وہ جنہیں تختِ اقتدار پر متمکن ہونا ہے۔ ان کے افکار و نظریات، ان کے رجحانات اور ان کے طرزِ عمل سے اس ملک کا ہر فرد بخوبی واقف ہے مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ نے جو گل کھلائے ہیں انہیں کون نہیں جانتا۔

اسی طرح مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی جس قسم کے خیالات اور عزائم کا اظہار کرتی رہتی ہے انہیں دیکھتے ہوئے اس بات کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی کہ یہ لوگ اقتدار کے تخت پر براجمان ہونے کے بعد دفعتہً تبدیل ہو جائیں گے۔ اور فوجی قوت کو اپنے اقتدار کے استحکام کے بجائے ملک و ملت کے استحکام کے لیے استعمال کریں گے۔ جن لوگوں کے عزائم سے تخریب پسندی کی بو آتی ہو، جو قوت کے جائز اور ناجائز استعمال میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں، جو علاقائی مفادات کے علمبردار ہوں، جنہیں ملک کی نظریاتی اساس سے کوئی دور کا بھی تعلق نہ ہو، اور جو قومی مصالح پر نگاہ رکھنے کے بجائے علاقائی عصبیتوں کو ابھار کر اور خیالی محرومیوں کے افسانے گھڑ کر اور عوام کے جذبات بھڑکا کر اپنی لیڈری کی دکان چمکانا چاہتے ہوں۔ ان کے ہاتھ میں اس نازک مرحلہ پر فوج کی قوت دے دینا قومی نقطۂ نظر سے بڑا خطرناک ہے۔

اقتدار لازمی طور پر عوامی نمائندوں کی طرف منتقل ہونا چاہیے اور فوج کو اپنے اصل فرض یعنی دفاعِ وطن کی طرف پوری یکسوئی سے متوجہ ہو جانا چاہیے۔ فوج سیاسی بکھیڑوں سے جس قدر الگ تھلگ رہے اسی قدر ملک کے لیے اچھا ہے لیکن اس وقت ملک کو جو صورتِ حال درپیش ہے اس کی نوعیت سیاسی بکھیڑوں کی نہیں بلکہ خوفناک انتشار اور بغاوت کی سی ہے۔ جب تک سیاسی اور معاشی حالات میں استواری پیدا نہیں ہو جاتی اور زندگی کسی حد تک معمول پر نہیں آجاتی اس وقت تک انتقالِ اقتدار کا تقاضا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

پھر اس مسئلہ کا ایک اور پہلو بھی غور طلب ہے۔ اس وقت ایک جماعت کی طرف سے شدت سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ اقتدار عوامی نمائندوں کو منتقل کر دینا چاہیے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ جماعت اس ملک میں اکثریت کی نمائندہ ہونے کی وجہ سے اس مطالبے میں حق بجانب ہے؟ اگر گذشتہ انتخابات کے نتائج ہی عوامی نمائندگی کا واحد معیار ہیں تو پھر یہ اقتدار اُس جماعت کے نمائندوں کو منتقل ہونا چاہیے جنہوں نے تخریبِ وطن میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور آج وطن کی حفاظت میں وہ لوگ سینہ سپر ہیں جنہیں عوام نے ووٹ نہیں دیے۔ عوام کے فیصلے بلاشبہ سیاسی زندگی میں فیصلہ کن اہمیت رکھتے ہیں مگر افراد کی طرح قوموں کی زندگی میں بھی بعض ایسے لمحات آجاتے ہیں جب وہ ذہنی بحران میں مبتلا ہو کر توازن کھو دیتی ہیں اور جنون میں نہایت غلط فیصلے کر بیٹھتی ہیں۔ فیلڈ مارشل صاحب نے پورے دس برس سیاسی زندگی کو جس طرح مقید کر رکھا تھا اور اپنی شخصیت کو ابھارنے کے لیے دوسری قابلِ احترام شخصیتوں کو جس طرح بدنام اور رسوا کرنے کی کوشش کی تھی، پھر معاشی میدان میں "حیرت انگیز" ترقی کی گونج میں عوام جس معاشی بدحالی کا شکار ہوئے اور جس کے تباہ کن نتائج اب کھل کر سامنے آرہے ہیں۔ ان سب حالات اور مصائب نے قوم کے ذہنی توازن کو بالکل بگاڑ دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فیلڈ مارشل صاحب کے میدان سے ہٹتے ہی جب قوم انتخابات کے لیے میدان میں نکلی تو اس پر جنون کی سی کیفیت طاری تھی۔ چنانچہ ہر وہ فرد جو زبان کے استعمال کے معاملے میں جس قدر مطلق العنان تھا، جو قوم سے خوش کن وعدے کرنے میں جس قدر جری اور بیباک تھا، جو گروہی اور علاقائی تعصبات پھیلانے میں جس قدر زیادہ مشاق تھا اسی نسبت سے وہ قوم کے مختلف طبقوں کو اپنے ساتھ بہا کر لے گیا اور جنون کے اس ریلے میں انہیں یہ سوچنے کی بھی فرصت نہ ملی کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور کدھر

جا رہے ہیں اور کس غرض کے لیے جا رہے ہیں۔ کیا وہ لوگ جو اس بحرانی کیفیت میں نمائندے چُنے گئے ہیں۔ وہ عوامی نمائندے کہلانے کے مستحق ہیں؟

اس مرحلے پر کرنے کا کام یہ ہے کہ عوام کے اندر از سرِ نو اس مقدس نصب العین کے ساتھ گہری وابستگی پیدا کی جائے جس کی محبت میں سرشار ہو کر انہوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جس کی خاطر انہوں نے خون اور آگ کے سمندر میں سے گزرنا گوارا کیا۔ پاکستان کی وحدت، اس کی سالمیت، اس کا بقا اور اس کی ترقی کا سارا دار و مدار اسلام اور صرف اسلام پر ہے۔ اگر اسلام درمیان سے ہٹ جائے تو پھر اس ملک کے صرف دو ٹکڑے نہیں ہوں گے بلکہ اس کے لاتعداد حصے بخرے ہوں گے اور یہ ملک چھوٹی چھوٹی قومیتوں کی رزمگاہ بن کر دوسرے ممالک کے لیے تر نوالہ بن جائے گا۔ اس لیے اس وقت سب سے زیادہ توجہ اس ملک کی اسلامی اساس کو مستحکم کرنے کی طرف دینی چاہیے تاکہ قوم کے اندر فکری اور جذباتی ہم آہنگی پیدا کر کے اُسے صحیح معنوں میں ایک ملّت بنایا جا سکے۔ اس خوش گوار تبدیلی کے بعد جو رائے عامہ اُبھر کر سامنے آئے گی وہ صحیح معنوں میں اس ملک کی نمائندہ ہو گی اور اس کی بنیاد پر جو انتظامی ڈھانچہ تیار ہو گا اس سے ملک و ملّت کو انشاء اللہ فائدہ پہنچے گا۔ دیوانگی کے عالم میں کیے ہوئے فیصلے اکثر اوقات غیر متوازن اور غلط ہونے کی بنا پر تباہ کن ہوتے ہیں۔

اسی سلسلے میں ہم یہ گزارش کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ صدرِ محترم نے انتقالِ اقتدار کا جو طریق کار تجویز فرمایا ہے وہ بھی محلِ نظر ہے۔ کون نہیں جانتا کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے جن چھ نکات کی بنیاد پر ملک میں انتخابات لڑے اور جس دھونس اور دھاندلی سے اُنہوں نے غیر معمولی اکثریت حاصل کی وہ کوئی تعمیرِ ملّت کا منشور نہ تھا بلکہ تخریبِ وطن کا ایک خوفناک منصوبہ تھا۔ عوامی لیگ کے کارکنوں اور اس کے منتخب نمائندوں نے اس پلان سے وفاداری کی قسم کھا کر اس سارے خونی ڈرامے کو کھیلا اور اسے ناکام بنانے کے لیے بالآخر فوج کو استعمال کرنا پڑا۔ اب ان "محبِ وطن ارکان" کی فہرست تیار کر کے انہیں ملکی اقتدار کی باگیں سونپ دینا ذہنوں میں کئی ایک خدشات پیدا کرتا ہے۔ سب سے پہلے مرحلہ پر تو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کسے وطن دوست سمجھ کر سینے سے لگایا جائے اور کسے وطن دشمن

سمجھ کر دھتکار دیا جائے۔ جہاں تک چھ نکات کے علمبردار ہونے کا تعلق ہے اُس میں تو سب برابر تھے۔ بلکہ ہر ایک اس معاملے میں دوسرے پر سبقت اور بازی لے جانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ اب اگر کچھ لوگ ان نکات کو تیاگ دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں تو یہ ملک و ملّت کے لیے نیک فال ہے۔ مگر پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کچھ ارکانِ اسمبلی نے فی الحقیقت اپنے ارادے کا اظہار کیا ہے اور ان کی تعداد بھی معقول ہے، دوسرے تخریب کے اس پروگرام سے دستبردار ہو کر انہوں نے تعمیرِ وطن کے لیے کونسا نیا پروگرام تجویز کیا ہے؟ اُسے بھی سامنے لانا چاہیئے تاکہ پُوری ملّت کو ان کے بدلے ہوئے نیک ارادوں کا علم ہو سکے محض چھ نکات سے دستبرداری تو کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ دیکھنا یہ ہے کہ چھ نکات کے مضر نتائج سامنے آجانے کے بعد ان حضرات نے تعمیرِ نو کا جو نقشہ بنایا ہے وہ کس نوعیت کا ہے۔ جب تک ان حضرات کا کوئی مثبت پروگرام سامنے نہیں آجاتا اُس وقت تک ذہن ان کے بارے میں مطمئن نہیں ہو سکتا۔

اسی ضمن میں ذہن کے اندر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کالعدم عوامی لیگ کے اُن "محبِ وطن" عناصر کو اقتدار منتقل کرنے سے ملک و ملّت کے ان بہی خواہوں کا کیا حشر ہوگا جنہوں نے موجودہ پُر آشوب اور انتہائی نامساعد حالات میں جان پر کھیل کر وطن کی حفاظت اور پاسبانی کا مقدس فرض سر انجام دیا ہے اور ناقابلِ بیان مصائب سہ کر اور بے شمار خطرات مول لے کر ملک کی سالمیت کے لیے حکومت سے بھرپور تعاون کیا ہے۔ کیا کالعدم عوامی لیگ کے ارکان کو اقتدار منتقل کرنے کے وعدے سے محبِّ وطن طبقوں کے حوصلے پست نہ ہوں گے اور عوامی لیگ کے کارکن شہ پاکر اپنی کارروائیوں میں جری نہ ہوں گے۔ اور وہ طالع آزما عناصر جو ہر چڑھتے سورج کی پرستش کرنے کے عادی ہوتے ہیں وہ عوامی لیگ کی صفوں میں گھسنے کی کوشش نہ کریں گے اور اپنے آپ کو "شاہ سے زیادہ شاہ کا خیر خواہ" ثابت کرنے کے لیے مجنونانہ حرکات کے ارتکاب پر دوبارہ نہ اتر آئیں گے۔

اسی سلسلے میں صدرِ محترم کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اقتدار کو ان عناصر کے ہاتھ میں منتقل کرنے سے وہ علاقائی تعصبات کے ان بتوں کو کس طرح پاش پاش کر سکیں گے جس کے لیے انہوں نے

(باقی صفحہ [illegible] پر)